۸ردسمبر ۱۹۷۱ء

رجسٹرڈ نمبر L. 922
فون نمبر ــــــ 29
ایڈیٹر
آل احمد سرور
فی کاپی پندرہ پیسے
قیمت سالانہ پانچ روپے
اشاعت کی تاریخیں
۱، ۸، ۱۵، ۲۲

ہفتہ وار

ہماری زبان

جلد-۳۰ | انجمن ترقی اردو (ہند) علی گڑھ | شمارہ ۴۲

پروفیسر آل احمد سرور

ڈاکٹر سیّد عبداللطیف

چند روز ہوئے ریڈیو پر خبر سنی کہ ڈاکٹر سیّد عبداللطیف کا اسّی سال کی عمر میں حیدرآباد میں انتقال ہوگیا۔ خدا بخشے بہت سی خوبیاں تھیں مرنے والے میں۔

ڈاکٹر لطیف کو سب سے پہلے میں نے آل انڈیا اردو کانفرنس میں دیکھا جو مولوی عبدالحق کی دعوت پر ۱۹۳۶ء میں علی گڑھ میں بلائی گئی تھی۔ اس کانفرنس میں اردو کے چوٹی کے ادیب اور صحافی، شاعر اور نقاد، معلّم اور مصنف جمع ہوگئے تھے۔ حیدرآباد سے ایک بڑا وفد آیا تھا۔ کانفرنس سے پہلے اولڈ بوائز لاج میں انتظامات کے سلسلے میں جو جلسے ہوئے اس میں ایک صاحب سیاہ فام ترکی ٹوپی اوڑھے، عینک لگائے ہوئے نظر آئے دریافت کرنے پر معلوم ہوا یہ ڈاکٹر لطیف ہیں۔ مولوی عبدالحق نے ان کے ذمّے کانفرنس کی پبلسٹی کا کام کیا تھا۔ یہ اس وقت عثمانیہ یونیورسٹی میں انگریزی کے استاد تھے اور اس زمانے میں بھی جب ایک سے ایک اچھی انگریزی لکھنے والا پڑا ہوا تھا، ان کی انگریزی کی خاص شہرت تھی۔ ہم نوجوان ان سے کچھ خفا تھے کیونکہ انھوں نے غالب کی شاعری پر بہت سے اعتراضات کئے تھے، مگر اردو ادب پر انگریزی ادب کے اثر پر انھوں نے لندن یونیورسٹی سے پی۔ ایچ۔ ڈی کے لئے جو مقالہ لکھا تھا، اس کے اس زمانے میں سبھی قائل تھے۔ وقت گزرجاتا ہے تو کس طرح ذوق اور رائے دونوں بدل جاتے ہیں۔ آج ان کا انگریزی مقالہ صرف تاریخی اہمیت کا حامل ہے، مگر غالب کی شاعری پر ان کی بہت سی رائیں قابل قبول نہ ہونے کے باوجود یہ بات تسلیم کی جاتی ہے کہ غالب کے کلام کی تاریخی ترتیب کی طرف سب سے پہلے نہ صرف انھوں نے توجہ دلائی، بلکہ خود غالب کا کلام تاریخی ترتیب کے مطابق شائع بھی کرایا گو بعض حالات کی وجہ سے اس کا صرف ایک حصّہ شایع ہو سکا۔ انھوں نے غالب کی تنقید کے لئے جن اصولوں پر زور دیا ہے ان سے آج بھی کم اختلاف کیا جاسکتا ہے، ہاں یہ ضرور ہے کہ غالب کی شاعری پر تنقید کرتے وقت چونکہ ان کے ذہن میں بیسویں صدی کی ابتداء کے وہ تنقیدی افکار تھے جو انگلستان میں مقبول تھے اور رابیٹ اور الیٹ، آئی۔ اے۔ رچرڈس اور ریڈ کے خیالات کو اس وقت تک مقبولیت حاصل نہ ہوئی تھی، اس لئے غالب پر تنقید کرتے وقت خود اپنے اصولوں کا انھوں نے لحاظ نہیں رکھا تھا۔ اس کتاب کی اہمیت بہرحال آج بھی ہے۔ گو غالب کے سلسلے میں اس عرصے میں بڑا گرانقدر کام ہو چکا ہے۔

ڈاکٹر لطیف کو ادب کے علاوہ اسلامیات سے بھی گہری دلچسپی تھی۔ جب جواہر لال نہرو نے اپنی خود نوشت سوانح عمری میں اس اسلامی تہذیب کا مذاق اڑایا جو صرف داڑھی اور ٹخنوں دار ٹوپی سے عبارت سمجھی جاتی تھی تو ڈاکٹر لطیف نے اسلامی تہذیب کے عناصر پر انگریزی میں ایک رسالہ لکھا جس میں اسلامی فکر، اخلاق اور طرز زندگی پر زور دیا گیا تھا۔ دراصل دونوں حضرات اس معاملے میں انتہا پسند تھے۔ جواہر لال نہرو نے ان حضرات پر جو ہر چیز میں ہندوستانی طرز زندگی سے علیحدہ رہنے میں اپنی شان سمجھتے ہیں اور جو قومی زندگی کے دھارے سے الگ ہیں طنز کی تھی۔ لطیف صاحب نے اسلام کی روح اور اس کے اعلیٰ اخلاقی پیغام پر زور دیا تھا اور یہ دیکھنے کی کوشش نہیں کی تھی کہ ہندوستان میں مسلمانوں کی تہذیب پر ہندوستان کے اثرات قدرتاً ہوں گے۔ تہذیب مذہب سے متاثر ضرور ہوتی ہے، مگر اس کی بنیادیں دوسرے عناصر کی اہمیت بھی کم نہیں۔ چنانچہ اسلام کے اثرات عرب میں بھی ہیں اور ایران میں بھی مگر عرب اور ایران کی تہذیب میں اس رشتے کے باوجود اتنا فرق ہے کہ اقبال کو عرب کے سوز دروں کے علاوہ عجم کے حسن طبیعت کا بھی اعتراف کرنا پڑا۔

ڈاکٹر لطیف سے ۱۹۳۶ء کے بعد دہلی اور حیدرآباد میں کئی بار ملاقات ہوئی اور ہر دفعہ ان کے علمی شغف اور پرسوز شخصیت کا نقش گہرا ہوتا گیا۔ آخری ملاقات وگیان بھون میں دس بارہ سال پہلے ہوئی تھی۔ اس وقت ان کی بینائی جواب دے رہی تھی اور نقل و حرکت میں انھیں دشواری ہوتی تھی مگر ان کی شگفتگی اور نکتہ آفرینی کا عالم وہی تھا۔ آپریشن کرانے کے بعد وہ بدستور اپنے علمی کاموں میں لگ گئے تھے۔ آخر زمانے میں انھوں نے مولانا آزاد کے ترجمان القرآن کے ابتدائی حصّے کا انگریزی میں ترجمہ کیا تھا اور اسلامی علوم کے مطالعے کے لیے حیدرآباد میں ایک ادارہ بھی قائم کیا تھا۔ وہ آخر تک علمی کاموں میں لگے رہے۔ غالبیات اور اسلامیات کے سلسلے میں ان کا کام ہمیشہ قدر کی نگاہ سے دیکھا جائے گا اور جو لوگ ان سے اور ان کے کاموں سے واقف تھے وہ انھیں بھلا نہ سکیں گے۔ ایک عالم کبھی مرتا نہیں اس کے علمی کارنامے اسے زندہ رکھتے ہیں۔

اردو مصنفین کے لیے انعامات

بمبئی۔ مہاراشٹر کی حکومت نے اردو ادیبوں اور شاعروں کی حوصلہ افزائی کے لیے نثر و نظم کی بہترین کتابوں پر ایک ایک ہزار روپیہ کے دو انعامات دینے کا فیصلہ کیا ہے۔

انعام حاصل کرنے والوں کو نقد روپیہ کے ساتھ سند اور تحفے بھی ایک باقاعدہ تقریب میں عطا کیے جائیں گے۔

۷۱-۱۹۷۰ء میں شائع ہونے والی کتابیں اس سال کے انعام کے لیے شامل کی جائیں گی۔

• ہندوستان ٹائمز

مراثیِ انیس میں جذباتی تاویل

ڈاکٹر سلام سندیلوی کی نئی تصنیف ستمبر ۱۹۷۱ء میں شائع ہوگئی ہے۔ اس تصنیف میں انھوں نے مراثی انیس میں جذباتی تاویلات کی تلاش و جستجو کی ہے۔

کتاب نسیم بک ڈپو۔ ۲۵۔ لاٹوش روڈ لکھنؤ سے مل سکتی ہے۔

رہنمائے بنگلہ دیش

بنگلہ دیش پر ایک کتاب "رہنمائے بنگلہ دیش" کے نام سے یوسف ندیم صاحب نے تالیف کی ہے۔ ضخامت ۱۳۶ صفحات قیمت صرف دو روپیہ ملنے کا پتہ سروج پبلیکیشنز۔ سروج نگر یوسف گوڑہ حیدرآباد ۔ ۴۵

اردو کے ہندو شعراء

ایک کتاب "اردو کے ہندو شعراء" مرتب کر رہا ہوں۔ آپ

اپنی مختصر سوانح حیات غیر مطبوعہ چیدہ کلام اور پاسپورٹ سائز فوٹو جلد از جلد بھیج کر اس تاریخی کام میں میرا ہاتھ بٹائیں اور اپنا فرض نبھائیں۔ یہ کتاب جنوری ۱۹۷۲ء تک شائع کر دی جائے گی۔

مہیشور دیال ایڈیٹر حقیقت دہلی دہلی
۱۲/۲ پریم نگر ڈبل سٹوری دیلک نگر،
نئی دہلی۔ ۱۸

مولانا افقر موہانی وارثی کا انتقال

لکھنؤ۔ ہندوستان کے مشہور شاعر اور اہل علم مولانا افقر موہانی کا ان کی قیام گاہ لاٹ کٹن لکھنؤ میں ۸ نومبر کو انتقال ہوگیا۔

مولانا کی عمر تقریباً ۹۰ سال تھی۔ وہ ملک کے ممتاز اہل قلم اور شعر و ادب کے ماہرین میں شمار کیے جاتے تھے۔ حضرت حاجی وارث علی شاہ رحمتہ اللہ علیہ کے خاص مریدوں میں تھے۔ صوفی، وضعدار اور با اخلاق شخصیت کے مالک تھے ان کے شاگردوں کا حلقہ بہت وسیع ہے۔

• ریاست

انجمن کی چند مطبوعات

۱۔ اردو ہندی لغت	مرتبہ انجمن ترقی اردو	۲۰/۰۰
۲۔ اطلاقی سماجیات	ڈاکٹر جعفر حسن	۱۵/۰۰
۳۔ الایام (اردو ترجمہ)	ڈاکٹر طٰہٰ حسین مترجم سید عبدالباقی شطاری	۱۰/۰۰
۴۔ انتخاب کلام میر	مولوی عبدالحق	۲/۵۰
۵۔ انجم کدہ	عزیز لکھنوی	،،
۶۔ انواع فلسفہ	ظفر حسین خاں	۵/۵۰
۷۔ بھگوت گیتا	محمد اجمل خاں	۴/۵۰
۸۔ پرچھائیں	آصف علی	۶/۰۰
۹۔ حیات اجمل	قاضی عبدالغفار	۸/۰۰
۱۰۔ خطوط غالب	مالک رام	۷/۵۰
۱۱۔ دعصبیہ	منور لکھنوی	۳/۰۰
۱۲۔ چند ہم عصر	مولوی عبدالحق	۱/۵۰
۱۳۔ تنقیدیں	ڈاکٹر خورشید الاسلام	۹/۰۰
۱۴۔ بازدید	مجیب الرحمٰن	۲/۵۰
۱۵۔ زنداں نامہ	فیض احمد فیض	۲/۲۵
۱۶۔ سیر افلاک	حکیم احمد	۵/۰۰

انجمن ترقی اردو ہند علی گڑھ

نیر اقبال

دو غلط فہمیاں

زبانوں کی قواعد کا مطالعہ قدیم ترین زبانوں سے ہوتا چلا آرہا ہے اردو زبان میں بھی قواعد نویسی کی تاریخ خاصی پرانی ہے لیکن ابھی تک اس سلسلہ میں قرار واقعی چھان بین نہیں کی گئی ہے بہت سے سوالات ایسے ہیں جن کے جوابات فراہم کرنے سے اردو کے بڑے بڑے عالم بھی قاصر ہیں، اس مضمون میں دو غلط فہمیوں کا ازالہ کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔

(۱) سب سے پہلے قواعد اردو کی تدوین کے سلسلہ میں خود اردو زبان کو کس نے ذریعہ بنایا۔؟

(۲) کیا بہادر علی حسینی کی قواعدی تالیف رسالہ گل کرسٹ کو گل کرسٹ کی قواعد کی تلخیص کہا جا سکتا ہے۔؟

علمی تحقیقی کاموں کے شعبوں میں ایسے مسئلے مثلاً کتابوں کے عنوان اور تاریخ اشاعت کے تعین اور اس میں املاء ترتیب کے مسائل یا مصنفین کی تاریخ وجائے پیدائش و وفات اور ان کے وطنوں کے علاقائی تعین کے مسائل بذات خود کچھ بہت اہم نہیں ہوتے لیکن اکثر و بیشتر دوسرے مسائل کو اہم بنانے میں خاصے ممد و معاون ثابت ہوتے ہیں اور اس لئے قابل اعتنا ہو جاتے ہیں۔

اردو زبان کے اولین قواعد نویس غیر ملکی تھے انھوں نے اپنی اپنی ضروریات کو مد نظر رکھتے ہوئے اپنی اپنی زبانوں میں اردو کے قواعد مرتب کئے۔ اہل زبان قواعد نویسوں کی ترتیب دی ہوئی قواعدوں میں اہم ترین تصنیف دریائے لطافت ہے جو ۱۸۰۸ء عیسوی مطابق ۱۲۲۲ ہجری میں لکھی گئی، لیکن اس کتاب میں فارسی زبان کو ذریعہ اظہار بنایا گیا ہے۔ سب سے پہلے اردو زبان میں اردو کے قواعد کس نے مرتب کئے اس سلسلہ میں خاصی غلط فہمیاں ہیں، اکثر و بیشتر سرسید احمد خاں کے سر اس اولیت کا سہرا باندھا جاتا ہے۔ سرسید نے ۱۸۴۲ء میں اردو کے قواعد "قواعد صرف و نحو زبان اردو" کے نام سے تالیف کئے تھے۔ ان کی قواعد کی غرض و غایت بھی سرکاری نوعیت کی تھی۔ "اہالیان سرکار کمپنی کو ۔ ۔ ۔ ۔ یہ منظور ہوا کہ زبان اردو کو رواج دیجئے ۔ ۔ ۔ ۔ تاکہ ہر کہ و مہ اپنے مطلب کو پہنچے۔"

گل کرسٹ نے بیس برس تک اردو لسانیات کی دنیا میں گوناگوں تجربے کئے ہیں اور اردو کے تلفظ، رسم الخط اور قواعد صرف و نحو کا ہر پہلو سے مطالعہ کیا ہے۔ خود تالیفات و تصنیفات کی ہیں۔ اور دوسروں سے مختلف نوعیت کے کام سر انجام دلوائے ہیں۔ تعجب ہوتا اگر اس کی نگاہ اس پہلو پر نہ پڑتی۔ اردو زبان کی قواعد اردو زبان میں سب سے پہلے اسی کی سرپرستی میں ترتیب دی گئی۔

سرسید کی قواعد تالیف ہونے سے قبل تو اس نوعیت کی تین قواعد منظر عام پر آچکی تھیں۔

سب سے پہلی قواعد ۱۸۰۲ء عیسوی مطابق ۱۲۱۷ ہجری میں منظر عام پر آئی۔ اس قواعد کو مظہر علی ولا کی سرکردگی میں کئی اشخاص نے اجتماعی طور پر مرتب کیا تھا۔ یہ سب مرتبین فورٹ ولیم کالج کے شعبۂ اردو کے منشی تھے، یہ گل کرسٹ کے ایما پر ہی اور اسی کی سرپرستی میں مرتب کی گئی تھی۔ ۱۸۰۲ء کے ایڈیشن میں قواعد کے ساتھ گل کرسٹ کا کیا ہوا پند نامہ سعدی کا ترجمہ اور اسی کا لکھا ہوا ایک طویل دیباچہ بھی منسلک ہے۔ کتاب کا نام ہندوستانی میں "اتالیق ہندی" اور انگریزی میں HINDEE MORAL PRECEPTOR ہے۔

یہ تقابلی قواعد ہے۔ اس میں اردو اور فارسی کے قواعدی اصولوں کی تقابلی وضاحت کی گئی ہے۔ تاکہ جو لوگ اردو سے واقف ہوں وہ فارسی بھی سیکھ لیں اور جو فارسی سے واقف ہیں وہ اردو تحصیل کر لیں۔ لیکن ذریعہ اظہار مکمل طور پر اردو ہے۔

یہ قواعد نہ صرف اس لئے بڑی اہم ہے کہ یہ اردو زبان کی پہلی قواعد ہے۔ جو اردو میں لکھی گئی ہے بلکہ اس لحاظ سے بھی بے حد اہم ہے کہ اس کے مرتبین نے زبان کے مزاج کو صحیح طور پر سمجھا تھا۔ مثلاً حالتوں کے بارے میں وہ کہتے ہیں "اگرچہ عربی و سنسکرت میں

آفتاب شمسی

وہ کہاں ہے؟

وہ کہاں ہے،
جسے ظرف و دماں بھری جگہ
ایک بستی بسانے کو درکار تھی

وہ کہاں ہے،
جسے دونوں آنکھوں کے مابین
مقصود اک اونچی دیوار تھی

وہ کہاں ہے، بلاؤ اسے اور دکھاؤ یہ منظر
جہاں انگنت کالے پیلے بدن بے کفن
ایک ہی قبر میں دفن ہونے کو تیار ہیں
جسم بے جان ہیں، آنکھیں بیدار ہیں
سر پہ سورج ہے اور گوشت بیزار ہیں
یہ تو قرب قیامت کے آثار ہیں!

حالات کے کئی نام ہیں۔ اس کے استعمال سے عالموں کو فائدہ ہو تو ہو لیکن ہندی اور فارسی میں کچھ آشنا ضرور نہیں ہوتا۔[۱] حرف عربی سنسکرت اصولوں کے خالص ہندی کی قواعد سے مختلف ہونے کا ادراک رکھتے تھے بلکہ ہندی یعنی اردو قواعد کو فارسی قواعد سے بھی الگ تصور کرتے تھے: "ہندی میں موجب تذکیر و تعریف و تانیث و جمع مضاف کے یوں کہ ہے مرد کا لڑکا۔ مرد کے لڑکے، مرد کی لڑکی اور فارسی اضافت کی علامت اس طرح متعرف نہیں۔"

طریقہ کے اعتبار سے اس قواعد میں عربی قواعد کی اصولوں کا تتبع ہے نہ سنسکرت طریقوں کا بلکہ فارسی اور اردو کے اصول زبانوں کا اپنا لحاظ رکھ کر وضع کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ اصطلاحیں بقدر ضرورت ہوئی استعمال کی گئی ہیں۔

یہ مختصر قواعد گل کرسٹ نے تجربے کے طور پر مرتب کروائے ہیں دیباچہ میں وہ کہتا ہے کہ دونوں قواعدوں کا یہ مختصر تعارف کم سے کم آئندہ ہونے والی تحقیق کے لیے راہ ہموار کرے گا۔ اس کے دیباچہ سے پتا چلتا ہے کہ یہ تصنیف درحقیقت اس نے ہندوستانی منشیوں کی اپنی زبان سے سخت ناواقفیت کو مدنظر رکھ کر مرتب کروائی تھی۔ وہ ہندوستانی زبان کے ان جاہل اور کندہ ناتراش معلموں سے سخت بیزار تھا جو اہل یورپ کو سرزمین ہندوستان میں میسر آیا کرتے تھے اور منشی کہلاتے تھے۔ اس نے ان کی جہالت کا اپنی تمام ہی تصانیف میں گلہ کیا ہے اور اس دیباچہ میں تو خاصے سخت الفاظ میں کیا ہے۔

اردو کی دوسری قواعد جس میں اردو کو ہی ذریعہ اظہار بنایا گیا منظوم تھی اور مثنوی کے طرز پر لکھی گئی تھی۔ مولوی امانت اللہ اس کے مرتب تھے یہ لارڈ منٹو کے عہد میں سنہ ۱۲۲۵ ہجری مطابق ۱۸۱۰ عیسوی ہندوستانی چھاپہ خانے سے شائع ہوئی۔ مقصد کے اعتبار سے "واسطے فوائد کثیر طالبان زبان اردو کے" تصنیف کی گئی۔ طریقہ عربی کا برتا گیا ہے۔

تیسری قواعد بہادر علی حسینی نے مرتب کی اور ۱۸۲۰ میں اس کا پہلا ایڈیشن نکلا یہ خاصی مقبول ہوئی۔ کیونکہ بعد میں اس کے متعدد ایڈیشن نکلے ابھی حال ہی میں پاکستان سے خلیل الرحمٰن داؤدی نے اس کو مدون کر کے شائع کیا ہے۔ اس قواعد کا نام قواعد اردو مشہور بہ رسالۂ گل کرسٹ ہے۔ انگریزی میں (GILCHRIST ؛ OORDU RISALA اور HINDEE GRAMMAR) ہے۔ اس نام کی وجہ سے خلیل الرحمٰن داؤدی کو یہ خیال گزرا ہے کہ یہ گل کرسٹ کی قواعد کی تلخیص ہے۔ حالانکہ بات صرف اتنی ہے کہ بہادر علی حسینی گل کرسٹ کے زمانے میں فورٹ ولیم کالج کے اہم منشیوں میں سے تھے اور جو میر امن سے بھی پہلے اس سے منسلک ہوئے تھے اس زمانے میں انھوں نے کئی کتابیں بھی تصنیف کیں جن میں اخلاق ہندی ۱۲۱۷ھ/۱۸۰۲ سب سے زیادہ مشہور ہوئی۔ بعض شواہد سے پتہ چلتا ہے کہ ان کے گل کرسٹ سے خاصے گہرے مراسم تھے۔ گل کرسٹ انیسویں صدی میں ہندوستانی لسانی دنیا کی سب سے قد آور شخصیت ہے۔ اس لیے اگر کچھ ایسے لوگوں کے ذریعہ لسانی تصانیف اس کے نام سے موسوم کی جائیں تو یہ کوئی تعجب کی بات نہیں ہے۔ اتنی سی بات کی بنیاد پر بغیر متن کا مقابلہ کیے اتنی بڑی غلط فہمی میں مبتلا ہو جانا خاصا مضحکہ خیز معلوم ہوتا ہے۔

طریقہ کے اعتبار سے یہ قواعد خالص عربی اصولوں پر

نسیم رفعت

غزل

چند جملے بن کے کاغذ پہ بکھر جاتا ہوں میں
جس نظر سے دیکھئے دنیا نظر آتا ہوں میں

اب کہاں وہ عیش کی راتیں کہاں پھولوں کی سیج
اب جو تھکتا ہوں تو کانٹوں ہی پہ سو جاتا ہوں میں

یہ مرے اشعار جو تیرے ہی غم کی دین ہیں
ان شگوفوں سے تری یادوں کو مہکاتا ہوں میں

پھیر دے اس دل کی جانب پھر نگاہ آتشیں
آنچ دے ورنہ مرے محسن بجھا جاتا ہوں میں

تھی کبھی خود سے محبت تھی کبھی جینے کی چاہ
اب تو خوش ہو کر پرائے درد اپناتا ہوں میں

یہ نجوم و ماہ کی منزل مری منزل نہیں
عقل و دانش کی حدوں سے بھی پرے جاتا ہوں میں

میری آنکھوں نے کبھی جو خواب دیکھا تھا نسیم
آجکل اس خواب کی تعبیر کہلاتا ہوں میں

---

۱ نہ تو اس رسالہ کے مولف نے کہیں اس کو گل کرسٹ کی قواعد کی تلخیص کہا اور نہ کسی اور ذریعہ سے ہی یہ پتہ چلتا ہے۔

لکھی گئی ہے پہلے حصے میں مفردات سے بحث ہے اور دوسرے میں مرکبات سے۔ اس کی زبان کا نمونہ یہ ہے۔

" تقسیم میں اسم کی باعتبار اشتقاق اور " عدم اشتقاق کے جاننا چاہیے کہ اس اعتبار " سے اسم کی تین نوع ہیں"

" نوع اول جامد وہ اسم کہ . . . . " نوع دوم مصدر وہ اسم ہے کہ . . . . " نوع سوم مشتق وہ اسم ہے کہ . . . . . . "

اسی طرح پھر جامد مصدر اور مشتق کی تقسیم ہے اور اس طرح پوری قواعد عربی قواعد کے سانچے میں ڈھلتی چلی جاتی ہے۔ جبکہ گل کرسٹ کا اس نہج سے دور دور کوئی تعلق نہیں ہے۔ وہ نہ اسم کے یا فعل کے اقسام کا تعین کرتا ہے اور نہ ان کی تعریفیں بیان کرتا ہے۔ یہی نہیں اس نے تو اپنی قواعد میں اصطلاحوں کا بھی کم سے کم استعمال کیا ہے۔ پوری توضیح نمبروں کی زبان میں ہے مثلاً قاعدہ نمبر ۱ قاعدہ نمبر ۲۔ اور قاعدے زبان کی ساخت کے اعتبار سے وضع کئے گئے ہیں۔

اس کی قواعد کا پہلا باب حروف تہجی اور تلفظ پر ہے دوسرے باب میں دو جز ہیں ایک میں ARTICLE کے قاعدے بیان کئے گئے ہیں دوسرے میں اسما کی جنس کے اور تعریف کے اصولوں کی وضاحت ہے۔ تیسرے میں ضمائر کے تعریفی اور نحوی قاعدے بیان کئے گئے ہیں۔ وغیرہ وغیرہ۔

جہاں تک اردو زبان کے غیر ملکی قواعد نویسوں کا تعلق ہے۔ اردو قواعد نویسی کی پونے تین سو سالہ تاریخ میں روسی قواعد نویس سوتیا چیکو وا پہلی مصنف ہیں جنہوں نے اپنی قواعد کی تصنیف کے لئے اردو ہی کو ذریعہ اظہار بنایا ہے۔

▲

مترجم برہم ناتھ دت

رگوید - VII - ۸۶

ورونا دیوتا

۱۔ یقیناً وہ مخلوق خوش بخت ہے جو اس کی قدرت کاملہ سے اس وقت بھی محفوظ اور قائم رہی جبکہ زمین اور آسمان دو پاٹ ہوئے۔

اس نے بلند اور عظیم آسمان اور جگمگاتے تاروں کو حرکت کے لئے آمادہ کیا اور دھرتی کو اپنے سامنے بچھا لیا۔

۲۔ میں اپنے دل ہی دل میں سوچتا ہوں کہ میں اور ورونا کس طرح یک دل ہو سکتے ہیں۔

کون سا ہدیہ پیش کروں کہ وہ بخوشی قبول کرے، اطمینان سے کس طرح اس کے سامنے آؤں کہ وہ مہربان ہو جائے۔

۳۔ اپنے گناہوں سے ناواقف، میں لوگوں سے یہی پوچھتا پھرتا ہوں اور داناؤں سے یہی مشورہ کرتا رہتا ہوں۔

صاحب تمیز لوگ بھی مجھے یہی کہتے رہتے ہیں۔ کہ یقیناً ورونا تم سے خفا ہے۔

۴۔ اے ورونا! مجھ سے کون سی ایسی خطا ہو گئی ہے کہ تو اپنے اس نیازمند کو جو تیری مدح میں گیت گاتا رہتا ہے مارنے پر تلا ہوا ہے۔

اے ناقابل تسخیر آقا! مجھے بتا دے، میں بلا توقف تائب ہو کر عاجزی سے تیرے حضور حاضر ہو جاؤں گا۔

۵۔ ہمارے اجداد کے گناہوں سے ہمیں بری الذمہ کر دے وہ گناہ جو ہم سے سرزد ہوئے ہیں معاف کر دے۔

اے شاہ دو عالم! جس طرح تو مویشی چرانے والے چوروں کو معاف کر دیتا ہے، بچھڑوں کو رسی سے آزاد کر دیتا ہے، مجھے بھی رہائی دلا دے۔

۶۔ اے ورونا! ہم نے یہ گناہ اپنی مرضی سے نہیں کئے۔ یہ تو بہکاوے، بے عقلی، شراب، قماربازی یا غصہ کے زیر اثر ہو گئے ہیں۔ (باقی کالم ۲)

(کالم ۲ سے آگے)

بوسیدہ دماغ بڈھے بچوں کو گمراہ کرنے کے لئے پاس ہی بیٹھے ہیں نیند بھی خیال فاسد سے چھٹکارا نہیں دلاتی۔

۷۔ اے جبار دیوتا! گناہوں سے پاک ہو کر فرمانبردار غلام کی طرح میں تیری چاکری کروں گا۔

عظیم دیوتا! تو ناداںوں کو فراست دیتا ہے، اے عاقل دیوتا! تو داناؤں کو مالا مال کر دیتا ہے۔

۸۔ اے آقا! اے ورونا! کاش کہ یہ مدح، تجھے پسند آئے اور تیرے دل میں گھر کر جائے۔

محنت مشقت اور آرام چین، دونوں صورتوں میں ہمیں راحت نصیب ہو۔ دیوتاؤ ہمیں سلامتی دو اور ہم پر اپنی رحمت نازل کرتے رہو۔

▲

---

۱ پورانے عہد نامہ میں اسی خیال کو ان الفاظ میں ظاہر کیا گیا ہے:-

'VISITING THE ORIGINITY OF FATHERS INTO THE CHILDREN UNTO THE THIRD AND FOURTH GENERATIONS'

مراسلات

نواب حسام الدین حیدر خاں نامی

نقوش غالب نمبر حصہ سوم (شمارہ ۱۱۲) میں پہلا ہی مضمون ڈاکٹر اکبر حیدری کاشمیری کا بعنوان "نواب حسام الدین حیدر خاں نامی اور ان کا غیر مطبوعہ دیوان" شامل ہے جس میں فاضل مضمون نگار نے دیوان نامی کے دو خطی نسخوں کا تعارف کرایا ہے جو کتب خانہ راجہ محمود آباد کی زینت ہیں۔ اس مضمون کے بارے میں سرسری طور پر کچھ عرض کرنا چاہتا ہوں۔

(۱) مالک رام نے تلامذۂ غالب (ص ۱۴۲) میں لکھا ہے

"(نامی) کے بیٹے ناظر حسین میرزا نے ان کا اردو کلام جمع کر کے شائع کیا۔ اس دیوان پر غالب نے ایک دیباچہ فارسی زبان میں لکھا تھا جو ان کے کلیات فارسی میں موجود ہے۔"

ڈاکٹر حیدری نے یہ دیباچہ اس مضمون میں نقل کیا ہے مگر یہ نہیں بتایا کہ یہ مطبوعہ ہے اس طرح وہ دیوان نامی کے بارے میں مالک رام سے اختلاف کئے بغیر اسے غیر مطبوعہ ظاہر کر رہے ہیں۔ میں نے اس دیوان کو مطبوعہ یا قلمی کسی شکل میں نہیں دیکھا اس لئے یہ فیصلہ کرنے سے قاصر ہوں کہ دونوں میں کس کا بیان درست ہے۔

۲۔ مضمون کا پہلا فقرہ ہے کہ

"میر حسام الدین حیدر ۔ ۔ ۔ برہان الملک میر محمد امین نیشاپوری کی اولاد میں تھے۔"

یہی مالک رام نے بھی لکھا ہے (تلامذہ ص ۱۴۲)

میں نے تلامذۂ غالب پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا تھا کہ پدری سلسلہ کا برہان الملک کے واسطے سے ملنا محال ہے اس کی اولاد میں ایک بیٹا اور چھ بیٹیاں تھیں۔ بیٹا کم عمری ہی میں چیچک یا کسی اور بیماری سے مر گیا تھا اس لئے برہان الملک کے بعد خلعت وزارت اس کے بھانجے اور داماد میرزا مقیم کو عطا ہوا تھا جس نے بعد میں صفدر جنگ کا خطاب دربار شاہی سے حاصل کیا۔ سعادت خاں برہان الملک کے ایک بھائی سیادت خاں تھے یہ ممکن ہے کہ پدری سلسلہ ان کے واسطے سے حضرت موسیٰ کاظم تک پہنچتا ہو۔
(تلاش غالب پاکستانی ایڈیشن ص ۱۰۵)۔ لطف یہ ہے کہ اس مضمون میں آگے چل کر لکھا ہے کہ

"نواب برہان الملک کے کوئی اولاد نرینہ نہیں تھی۔ اس کا سلسلہ ان سے ملنے کا یوں سوال نہیں کہ وہ مرزا نجف خاں سے ملایا گیا ہے۔ ساتھ ہی قدرت اللہ قاسم کے حوالے سے لکھا ہے کہ نانی امیر الامراء ذوالفقار الدولہ نجف خاں بہادر کے صاحب دُلہا میں سے تھے (مجموعہ نغز ۲/ ۲۵۹) یہ بھی درست نہیں ہے۔ نجف خاں اپریل ۱۷۸۲ء (۱۱۹۶ھ) میں فوت ہوا ہے اور اس نے کوئی اولاد نرینہ نہیں چھوڑی تھی۔ صرف دو لڑکیاں تھیں جن میں بڑی دس سال سے زیادہ عمر کی نہیں تھی اور اس کی شادی نجف خاں کی وفات کے بعد اس کی بہن خدیجہ سلطان بیگم نے کرائی تھی۔

(۳) مضمون نگار نے غلام رسول مہر کے اس بیان سے بھی اختلاف کیا ہے کہ حسام الدین نامی کے خسر سیف الدولہ نجف قلی خاں بہادر پہلے ہندو تھے پھر تبدیل مذہب کر کے مسلمان ہو گئے تھے۔ ڈاکٹر اکبر حیدری فرماتے ہیں کہ

"راقم الحروف کی نظر سے کوئی ایسی مستند کتاب نہیں گزری جس میں نجف قلی خاں کو پہلے ہندو اور بعد میں تبدیل مذہب کر کے انھیں مسلمان دکھایا گیا ہو۔"

واقعہ یہ ہے کہ نجف قلی خاں مرزا نجف خاں کا چیلا تھا اور اس کا نام بھی اسی رعایت سے نجف قلی تھا وہ نو مسلم تھا اور نجف خاں کے انتقال کے بعد اس کی سرداری قبول کرنے سے کچھ لوگ اس لئے انحراف کر رہے تھے کہ وہ ایک معمولی حیثیت سے ترقی کر کے نجف خاں کی مہربانی کی بدولت اتنے رتبے تک پہنچا تھا۔ نجف کے مرنے کے بعد اس کے جانشینوں میں خانہ جنگیاں ہوئیں جن کا حال تمام تاریخوں میں تفصیل سے موجود ہے۔ افراسیاب خاں نے علی گڑھ، محمد شفیع نے میرٹھ، نجف قلی نے میوات اور ریواڑی اور محمد بیگ ہمدانی نے بھرت پور الور کے سرحدی علاقوں پر قبضہ کر لیا تھا۔ یہ سب تفصیلات یہاں دہرانا غیر ضروری ہوگا حیدری صاحب زوال سلطنت مغلیہ کی تیسری جلد ملاحظہ فرمائیں۔

مختار احمد فاروقی
دہلی۔

فیلن کی ڈکشنری

مجھے ڈاکٹر فیلن کی ڈکشنری کے دونوں حصوں کی ضرورت ہے یعنی ہندوستانی انگریزی کی بھی اور انگریزی ہندوستانی کی بھی کوئی صاحب اگر اپنا استعمالی نسخہ الگ کرنے پر آمادہ ہوں تو براہ کرم اس کی قیمت سے مجھے مطلع فرمائیں۔

عبدالماجد دریاباد
ضلع بارہ بنکی

ہماری زبان

کو مضامین و مراسلات ارسال کرتے وقت یہ ملحوظ رہے کہ وہ کاغذ کے ایک طرف صاف لکھے ہوں۔

ادارہ

اخبار و اذکار

اردو اکاڈمی اتر پردیش کے متعلق

اتر پردیش کے وزیر مالیات کی بجٹ تقریر ۷۱-۱۹۷۰ء سے ایک اقتباس

ریاست کو اردو زبان پر فخر ہے اور اس کے فروغ کے لئے حکومت نے ایک اردو اکاڈمی قائم کرنے کا فیصلہ کیا ہے۔ اس اکاڈمی کے یہ کام ہوں گے:

۱۔ اردو کی کتابیں چھپوانے میں مدد پہنچانا۔

۲۔ اردو ادیبوں کو ان کی ایسی ممتاز کتابوں پر انعام دینا جن کا موضوع ادب، سائنس اور فن ہو اور مفید ہوں اور فرقہ وارانہ اتحاد اور قومی یک جہتی کے جذبے کو بیدار کرنے والا ہو۔

موجودہ کتب خانوں اور مطالعہ گھروں کو اردو کی مفید کتابیں نیز رسائل و جرائد خریدنے کے لئے امداد دینا اور

۴۔ اردو ادیبوں اور مصنفوں کو اشاعتی امداد دینا۔

سرکار نے یہ بھی طے کیا ہے کہ شکشا نردیشک (ڈائرکٹر تعلیمات) کے مرکزی دفتر میں ایک نائب ڈائرکٹر تعلیمات، اردو کا تقرر کیا جائے جس کی اردو تعلیم کا مناسب انتظام کرنے کی خاص ذمہ داری رہے گی۔ درجہ ایک سے آٹھ تک اردو مضمون کے لئے تعلیمی نصاب اور درسی کتابوں کے بارے میں صلاح دینے کے لئے ایک "بورڈ آف اسٹڈیز" ترتیب دینے کی بھی تجویز ہے۔

مادری زبان کے ذریعہ ابتدائی تعلیم کی سہولت دینے کے لئے ایک کل ہند منصوبہ ہے جس کے مطابق کسی اسکول میں اگر چالیس طلبہ یا کسی درجے میں دس اپنی مادری زبان کے ذریعہ ابتدائی تعلیم حاصل کرنا چاہتے ہیں تو ان کو یہ سہولت فراہم کی جاتی ہے۔ سرکار اس سلسلے میں کچھ اور سہولت دینا چاہتی ہے جس کے مطابق اگر کسی اسکول میں اردو پڑھنے والے طلبہ کی تعداد ۱۰/۴۰ سے کم ہوتی ہو تو قریبی اسکول میں جہاں اردو پڑھنے کا انتظام ہے، ان طلبہ کو داخل کرا دیا جائے گا۔ یہ تجربہ ابتدائی درجات میں ہی اور پانچ بڑے شہروں (کیول ٹاؤن) اور میرٹھ اور بریلی شہروں میں کیا جائے گا۔

ریاستی حکومت نے گریجویشن کی سطح پر بھی اردو کی تعلیم کی سہولت کو بڑھانے کا فیصلہ کیا ہے۔ ایسے ۹ ضلعے ہیں جہاں اردو بولنے والوں کی تعداد پندرہ فی صد سے زائد ہے۔ ۹ ضلعوں میں سے بجنور، میرٹھ، سہارنپور، مظفر نگر اور پیلی بھیت میں اس وقت گریجویشن کی سطح پر اردو کی تعلیم حاصل کرنے کی خاطر سہولت نہیں ہے۔ ان سبھی ضلعوں میں ایک ایک ڈگری کالج کو اردو پڑھانے کے لئے حسب قاعدہ امداد دی جائے گی تاکہ اردو تعلیم کی سہولت ضلعی سطح پر ہو جائے۔ ویسے تو ڈگری کالجوں کو تین سال کے بعد ہی اصول کے مطابق امدادی فہرست (گرانٹ لسٹ) پر لایا جاتا ہے لیکن اردو کے سلسلہ میں تعلیم کا متذکرہ بالا طریقے سے انتظام کرنے کے لئے متعلقہ کالجوں کو اردو پڑھانے کے لئے مقرر کئے جانے والے اساتذہ وغیرہ کے سلسلے میں پہلے ہی سال سے حسب قاعدہ امداد دی جائے گی۔

رامپور میں واقع سرکاری کالج میں اردو پڑھانے کا انتظام پہلے ہی سے ہے۔ یہ سہولت ضرورت پڑنے پر گیان پور کالج میں بھی مہیا کرنے کی تجویز ہے۔ آگرہ، میرٹھ، کانپور اور گورکھپور یونیورسٹیوں کے وائس چانسلروں سے صلاح مشورہ کر کے گریجویٹ اور پوسٹ گریجویٹ درجات میں اردو کی تعلیم کے انتظام میں اضافے کی سرکار کوشش کرے گی۔

اردو گزٹ کی کاپیاں پہلے ہی سے مختلف محکموں اور دفاتر کے افسران اعلیٰ، ضلع عدالتوں اور انتظامیہ کے افسروں اور تمام سرکاری کتب خانوں کو بھیجی جاتی ہیں۔ اس کے علاوہ پانچ پانچ کاپیاں ان تحصیلوں کو بھی بھیجی جاتی ہیں جن کی کل آبادی کا پندرہ فیصد یا اس سے زیادہ حصہ اردو زبان رکھنے والا ہے۔ اب یہ احکام جاری کر دئے گئے ہیں کہ اردو گزٹ کی کاپیاں ہر تحصیل میں دستیاب رہیں۔ اردو کتابوں کو لکھنے اور چھاپنے کو بڑھاوا دینے کی ذمہ داری اردو اکاڈمی کو سونپی جائے گی۔ توقع ہے کہ اکاڈمی کے ذریعے سے اردو کی درسی کتابوں کی اشاعت میں بھی کافی مدد ملے گی۔

• نامہ نگار

اردو اکاڈمی

حکومت اتر پردیش نے اعلان کیا ہے کہ ریاستی محکمہ تعلیم نے اردو مصنفین کی حوصلہ افزائی کے پیش نظر قومی اور جذباتی یکجہتی نیز فرقہ وارانہ ہم آہنگی کے جذبات بیدار کرنے والی ایسی طبع زاد مفید کتابیں جن کا موضوع ادب سائنس اور آرٹ ہو طلب کی ہیں۔

سرکاری پریس نوٹ کے بموجب یہ کتابیں ۱۵ دسمبر ۱۹۷۰ء تک پاٹھیہ پستک ادھیکاری اتر پردیش علاء بال ایونیو لکھنؤ کے دفتر میں مفت بھیج دیں۔ اس مقصد کے لئے یکم دسمبر ۱۹۷۰ء سے قبل اور ۳۰ نومبر ۱۹۷۰ء کے بعد طبع یا شائع ہونے والی کتابیں نہ بھیجی جائیں۔

مصنفین کو ایک ہزار سے ۲۰ ہزار تک کے انعامات اردو اکاڈمی کی جانب سے مقرر کردہ تحقیقی کمیٹی کے فیصلہ کے مطابق دیئے جائیں گے۔

دراصل حکومت اتر پردیش نے یہ انعامات دینے کے فیصلہ کا سرکاری حکم تقریباً ایک ماہ قبل ہی جاری کر دیا تھا اور اس حکم میں انعام کی رقم اور کتابیں موصول ہونے کی تاریخ سب درج تھیں لیکن محکمہ اطلاعات نے اس حکم کو آج ایک ماہ بعد اشاعت کے لئے

جاری کیا ہے۔ اگرچہ سرکاری حکم گزٹ میں بھی خاصی مدت قبل شایع ہو چکا ہے۔

اس سلسلے میں دوسری اہم بات یہ ہے کہ جس اردو اکاڈمی کی مقرر کردہ تحقیقی کمیٹی انعام کے مستحق مصنفین کا فیصلہ کرے گی وہ اردو اکاڈمی اگرچہ سرکاری طور پر وجود میں آچکی ہے لیکن اس کے ممبر ابھی مقرر نہیں کئے گئے ہیں تو پھر اس کی مقرر کردہ کمیٹی کا ابھی کیا سوال ہے۔

اکاڈمی کے سکریٹری۔ محکمہ قومی یک جہتی کے سکریٹری جناب تربھون پرشاد اور چیرمین وزیر اعلا ہیں اور بد قسمتی سے دونوں اردو سے نابلد ہیں۔

اردو اکاڈمی کے قیام کے لئے رقم ریاست کے پنج سالہ منصوبے کے ۱۹۷۱ء-۷۲ کے منصوبے میں شامل ہے اور اس کے لئے مرکز نے ۳۰ فیصدی امداد دینا منظور کیا ہے۔ رواں ریاستی بجٹ میں بھی اس کے لئے رقم منظور ہے۔ • نامہ نگار

دنیتا جہاد ودیالیہ میں اردو جماعتوں کا مطالبہ

حیدر آباد:۔ جناب حبیب الرحمٰن صاحب معتمد عمومی انجمن ترقی اردو آندھرا پردیش نے حسب ذیل بیان جاری کیا ہے۔

بعض مقامی اخبارات سے یہ بات معلوم ہوئی کہ "دنیتا جہاد ودیالیہ" میں پچاس سے زیادہ طالبات کی موجودگی کے باوجود اردو میڈیم کی جماعتیں قائم کرنے سے اس بنا پر انکار کیا جا رہا ہے کہ حکومت سے اس کے لئے امداد نہیں مل رہی ہے مجھے اس عذر میں معقولیت کم اور ہٹ دھرمی زیادہ نظر آتی ہے۔ اول تو جس تنظیم کے تحت یہ کالج چل رہا ہے وہ مالی اعتبار سے اتنی مستحکم ہے کہ سرکاری امداد نہ ملنے پر بھی وہ اپنے کالج میں اردو کی متوازی جماعتیں کھلوا سکتی ہے نیز اس تنظیم کے مالیہ کو مستحکم کرنے میں اردو والوں کا بھی اتنا ہی حصہ ہے جتنا کسی اور زبان کے بولنے والوں کا۔ دوسرے محکمہ تعلیمات کی یہ ذمہ داری ہے کہ ریاست میں بسنے والی اتنی بڑی لسانی اقلیت کے طلبہ کو حصول تعلیم کے ممکن ذرائع مہیا کرے۔ اس غرض کے لئے یا تو خود کافی تعداد میں سرکاری کالج قائم کرے یا مسلمہ خانگی کالجوں کو کافی امداد دے کر ان میں تعلیم کا انتظام کرائے۔ اگر محکمہ تعلیم ایسا نہیں کرتا تو اس کے معنی سوائے اس کے اور کیا ہو سکتے ہیں کہ ریاستی حکومت اردو بولنے والوں کو برابری کا شہری نہیں سمجھتی۔ امید ہے کہ حکومت اس اہم مسئلے کے تمام پہلوؤں پر فوری طور پر غور کر کے اپنی پالیسی متعین کرے گی اور ریاست کے اردو بولنے والوں کے صبر کی زیادہ آزمائش نہیں کرے گی۔

• نامہ نگار

دنیتا جہاد ودیالیہ میں اردو جماعتوں کے قیام کا مسئلہ

حیدر آباد:۔ صدر نشین مجلس عمل طلبہ برائے اردو جناب عارف الدین نے دنیتا جہاد ودیالیہ میں اردو کی متوازی انٹرمیڈیٹ کلاسس کے قیام کے تعلق سے ایک بیان میں کہا ہے کہ انتظامیہ پچھلے دو سال سے مختلف عذر پیش کرتے ہوئے اردو کی متوازی جماعتوں کے قیام میں رکاوٹیں پیدا کر رہا ہے۔

(۵۰) طالبات کی تعداد کا لزوم رکھا گیا تھا چنانچہ اس شرط کو نہ صرف پورا کیا گیا بلکہ اضافہ تعداد رجسٹر کر دی گئی۔ اب یہ کہا جا رہا ہے کہ تعلیمات سے گرانٹ مل جائے تو اردو جماعت کے قیام میں دشواری نہیں ہوگی۔ اب صورت حال یہ ہے کہ طالبات یہاں اپنا نام رجسٹر کروا چکی ہیں اور دیگر کالجس میں داخلے بند ہو چکے ہیں۔ امید ہے کہ تمام اردو والے اس رویہ کے خلاف آواز اٹھائیں گے۔ سیاست حیدر آباد

اردو کی ترقی اور ذریعہ تعلیم کے لئے سرگرم مساعی کی ضرورت

محبوب نگر:۔ آرٹس اینڈ سائنس کالج محبوب نگر میں اردو سمینار منعقد ہوا۔ جناب وینکٹ راؤ پرنسپل کالج نے اردو زبان کی ستائش کی اور بتایا کہ وہ خود ابتدائی تعلیم اردو میں حاصل کر چکے ہیں۔ جناب ڈاکٹر حسینی شاہد مہمان خصوصی نے کہا کہ اردو کا شمار دستور کی جانب سے تحفظ دیئے جانے والی زبانوں میں ہے لیکن بد بختی سے اردو کا اپنا کوئی علاقہ نہیں۔ اردو کے لئے جدوجہد لسانی نہیں بلکہ ثقافتی اور تہذیبی تحفظ کے لئے ہونی چاہئے۔ انھوں نے کہا کہ ہم تلگو کو سرکاری زبان بنانے کا خیر مقدم کرتے ہیں لیکن ساتھ ہی ساتھ اردو کی ترقی اور ترویج کے بھی مواقع چاہتے ہیں۔

ڈاکٹر شاہد نے کہا کہ زبان کو معاشی اصطلاح میں نہیں سوچنا چاہیے لسانی اساس پر ملازمتیں نہیں ملا کرتیں۔ انھوں نے کہا کہ یہاں کی تہذیبی اور معاشی زندگی میں حصہ لینے کے لئے ہمیں تلگو سیکھنا ہے اور اردو میں تعلیم حاصل کرنے کا حق اس لئے مانگنا ہے کہ یہ ہمارا قومی اور تہذیبی ورثہ ہے۔ صدر جلسہ جناب سرینواس لاہوٹی نے یہ شکوہ کیا کہ اردو والے احباب میں اتحاد کا فقدان ہے۔ انھوں نے کہا کہ انگریزی ذریعہ تعلیم کا مطالبہ کر کے ہم اپنے بچوں کو ان کے لسانی ورثہ سے محروم کر رہے ہیں۔ انھوں نے کہا کہ ہمیں ڈگری سطح پر اردو ذریعہ تعلیم کا نہ صرف دستوری حق مانگنا ہے بلکہ اس کے لئے سرگرم جدوجہد کرنے کی ضرورت ہے۔

• نامہ نگار

اردو کی ترویج و ترقی کے لئے وزیر اعظم کوشاں

حیدرآباد: مرکزی نائب وزیر داخلہ جناب ایف ایچ محسن نے یہاں کہا کہ ہندوستان میں ہندی کے بعد سب سے زیادہ بولی جانے والی زبان اردو ہے۔ ملک کے تقریباً دس کروڑ سے زائد عوام کی زبان اردو ہے۔ اس کو بھی دیگر زبانوں کی طرح ترقی کرنے کا پورا حق حاصل ہونا چاہیے۔ ماضی میں اردو کے ساتھ بڑی ناانصافی روا رکھی گئی۔ لیکن وزیر اعظم شریمتی اندرا گاندھی اردو کی ترقی کے لئے خصوصی دلچسپی لے رہی ہیں مختلف ریاستوں کی حکومت کو اس ضمن میں ضروری ہدایت بھی دی گئی ہیں جس میں اتر پردیش اور بہار بھی شامل ہیں مرکزی نائب وزیر جناب ایف۔ ایچ۔ محسن آج سہ پہر پرانے شہر میں خیر مقدمی تقریب میں جوابی تقریر کر رہے تھے۔ انھوں نے کہا کہ یہ کہنا سراسر غلط اور بے بنیاد ہے کہ اردو مسلمانوں کی زبان ہے۔ انھوں نے کہا کہ میں خود مسلمان ہوں لیکن اردو لکھ اور پڑھ نہیں سکتا۔ اس کے برخلاف وہ کئی ایک ایسے غیر مسلم نامور افراد کا نام پیش کر سکتے ہیں جنھوں نے اردو کے علم و ادب کے گیسو کو سنوارنے میں اپنی زندگی کی ساری متاع قربان کر دی۔

• سیاست حیدرآباد

اردو رسم الخط کی تبدیلی کا مشورہ اردو دشمنی ہے

حیدرآباد: سہ روزہ ادبی کنونشن کے دوسرے اجلاس میں متفقہ طور پر ایک قرارداد منظور کی گئی جس میں اردو زبان کے رسم الخط کو برقرار رکھنے اور اس کی ترویج و اشاعت کے لئے راہیں ہموار کرنے کا فیصلہ کیا گیا۔ اس قرارداد کے ذریعہ بعض گوشوں کی جانب سے رسم الخط کی تبدیلی کے مشورہ کو اردو دشمن تجویز اور اس زبان کے حق میں سم قاتل قرار دیا گیا ہے۔ • سیاست حیدرآباد

اردو کو تعلیم اور نظم و نسق میں مناسب مقام کا مطالبہ

حیدرآباد: ممتاز کمیونسٹ رہنما و ٹریڈ یونین لیڈر ڈاکٹر راج بہادر گوڑ نے بھی اردو ادبی کنونشن کا افتتاح کرتے ہوئے کہا کہ اردو دانوں کا فریضہ ہے کہ وہ ریاست میں اردو کو تعلیمی نظام اور نظم و نسق میں اس کا اپنا حصہ دلانے کی جدوجہد کو تیز کر دیں۔ انھوں نے مطالبہ کیا کہ رائے دہی کی فہرستیں اردو میں شائع کی جائیں تعلیمی نظام اردو میں برقرار رکھا جائے اردو ذریعہ تعلیم کے مدارس قائم کئے جائیں۔ اردو کو بھی نظم و نسق اور تعلیم میں مساویانہ حصہ دینا چاہیے تاکہ اردو بولنے والے محروم نہ ہو سکیں۔

• سیاست حیدرآباد

ادیبوں اور شعرا کی ممکنہ اعانت

حیدرآباد: سہ روزہ ادبی کنونشن کے کھلے اجلاس میں ایک قرارداد میں اردو ادبی کنونشن میں ریاستی حکومت سے مطالبہ کیا کہ (۱) مستحق ادیبوں اور شاعروں کے لئے وظائف کا بندوبست کرے۔ وظائف کی رقم بڑھائی جائے وظیفہ کی عمر ۵۰ سال قرار دی جائے اور سالانہ تجدید کے بجائے تاحیات وظیفہ دیا جائے۔ اردو کتابوں کی اشاعت اور فراہمی کا معقول انتظام کیا جائے۔ مستحق اردو شاعروں اور ادیبوں کے لئے ہاؤزنگ بورڈ کی ایک کالونی مختص کی جائے اور رقم لاگت سہولت کے ساتھ برائے نام اقساط میں وصول کی جائے معمر اور بیمار ادیبوں اور شاعروں کے لئے اور ان کے افراد خاندان کی خاطر خصوصی میڈیکل سہولتوں کا انتظام کیا جائے۔ معمر اور بیمار شاعروں اور ادیبوں کے پڑھے لکھے بچوں کو سرکاری ملازمتوں میں ترجیحی حیثیت دی جائے۔ اردو ادیبوں اور شاعروں کے بچوں کو خصوصی تعلیمی وظائف دیئے جائیں اور ممکنہ سہولتیں بہم پہنچائی جائیں۔

• سیاست حیدرآباد

اردو قومی یکجہتی کی نشانی، وزیر مال مسٹر اچھوتا ریڈی کے تاثرات

حیدرآباد: ریاستی وزیر مال جناب کے اچھوتا ریڈی نے کہا کہ وہ اردو کے ادیب اور شاعر تو نہیں ہیں لیکن اردو کے ایک شیدائی ہونے پر انھیں فخر ہے وزیر مال نے کہا کہ اردو کی تاریخ و تہذیب قومی یکجہتی سے عبارت ہے۔ اردو کی شیرینی سادگی اور حلاوت کے اردو کے بدترین دشمن بھی معترف ہیں وزیر مال ڈیوڑھی مکرم الدولہ میں مہمان خصوصی کی حیثیت سے اردو ادبی کنونشن کی آخری نشست محفل مشاعرہ سے خطاب کر رہے تھے انھوں نے اردو کے جمہوری حقوق کے لئے ہر طرح کے تعاون کا یقین دلایا۔

• رہنمائے دکن

عادل آباد میں جماعتوں کے قیام کی اپیل

حیدرآباد: عادل آباد کے اردو طلبہ کے سرپرستوں نے چیف منسٹر پی وی نرسمہا راؤ کو ایک میمورنڈم روانہ کیا ہے جس میں اپیل کی گئی ہے کہ عادل آباد میں اردو طلبہ کی تعداد جو جونیر کالج میں شریک ہو سکتے ہیں (۲۰۰) ہے اس لئے عادل آباد جونیر کالج میں اردو کلاسس کا جلد سے جلد آغاز کیا جائے۔

• سیاست حیدرآباد

اردو کے ساتھ ناانصافی ختم کرنے کا مطالبہ

حیدرآباد: مجلس عمل برائے اردو کے رکن عاملہ جناب بشیرالدین نے اپنے ایک بیان میں حکومت سے مطالبہ کیا ہے کہ وہ اردو داں طلبہ سے ناانصافی کا رویہ ختم کر دے انھوں نے کہا کہ گورنمنٹ سٹی کالج میں اردو ذریعہ تعلیم کی ڈگری کورس جماعتوں کے قیام سے ناظم تعلیم کا انکار سراسر اردو دشمنی پر مبنی ہے بیان کے آخر میں سٹی کالج میں اردو میڈیم شروع کرنے کا مطالبہ کرتے ہوئے اردو دوستوں اور طلبہ برادری سے انھوں نے اپیل کی ہے کہ وہ اس خصوص میں تعاون کریں۔

• رہنمائے دکن

تعزیتی جلسہ

بزم اقبال آگرہ کا ایک ہنگامی جلسہ اردو کے مشہور و معروف شاعر جناب منظر صدیقی برادر معظم جناب اعجاز صدیقی ایڈیٹر ماہنامہ "شاعر" اور ملک کے مشہور و ممتاز قومی رہنما جناب ڈاکٹر سید محمود کے انتقال پر ملال پر تعزیت کے لئے صدر بزم علامہ میکش اکبرآبادی کے مکان پر منعقد ہوا جس میں مرحومین کے لئے ایصال ثواب کے بعد تعزیتی قرارداد بھی منظور کی گئیں۔

• عزیز اکبرآبادی

انجمن اصلاح اللسان کا سالانہ جلسہ

تلیچری (کیرالا) انجمن ہال میں انجمن اصلاح اللسان کا سالانہ جلسہ زیر صدارت جناب میر احمد علی صاحب ایم اے (عثمانیہ) استاد شعبۂ اردو گورنمنٹ برنین کالج منایا گیا۔

صدر جلسہ جناب میر احمد علی صاحب نے اپنی صدارتی تقریر میں کہا اردو ہندوستان کے مختلف طبقوں کی مشترکہ تہذیب کی ضمانت ہے اس کو باقی رکھنا ہر ہندوستانی کا فرض ہے۔ یہ ہماری زبان ہے اور ہمارے ہی دیس میں پیدا ہوئی ہے۔ صدر موصوف نے کیرالا میں اردو کی ترویج و ترقی کے بارے میں بیش بہا مشورے دئے اور کہا کیرالا میں انجمن ترقی اردو ہند کا قیام بے حد ضروری ہے۔

• سکریٹری

اردو طلبہ کی مشکلات

امروہہ: جے۔ایس ہندو کالج اور ڈگری کالج میں کئی مرتبہ نمائندگیوں کے باوجود اردو کی تعلیم کا اب تک کوئی انتظام نہیں کیا گیا ہے حالانکہ ان کالجوں میں اردو پڑھنے اور اس کو اپنا اختیاری مضمون بنانے کے خواہشمند طالب علموں کی کافی تعداد ہے۔ انجمن ترقی پسند مصنفین کی مقامی شاخ کے ایک وفد نے اقلیتی زبانوں کے کمشنر ڈی۔ایس باجپئی کو توجہ بھی دلائی اور انھیں اردو کے مسائل اور مشکلات کے بارے میں ۵ نکاتی میمورنڈم بھی دیا لیکن اب تک کوئی اقدام نہیں کیا گیا۔ دوسری طرف تحصیل تھانہ منصفی اور میونسپل بورڈ میں اردو کے ساتھ لاپرواہی برتی جا رہی ہے۔

• حیات دہلی

مرلی گنج مڈل اسکول میں دھاندلیاں

مرلی گنج (ضلع سہرسہ) ہندوستانی کمیونسٹ پارٹی کا مرلی گنج تھانہ کمیٹی کے سکریٹری جمیل اختر نے مرکزی وزیر تعلیم سے اپیل کی ہے کہ وہ مقامی مڈل اسکول کے اردو طالب علموں کی مشکلات کو دور کرنے کے لئے ضروری اقدامات کریں۔ اس مڈل اسکول کے ہیڈ ماسٹر ٹھاکر پرشاد بھگت نے اسکول کے اردو ٹیچر کو برطرف کر دیا اور اس کی جگہ ایک غیر اردو داں ٹیچر کا تقرر کیا ہے اگرچہ کہ اس اسکول میں اردو پڑھنے والے طالب علموں کی کافی تعداد ہے پارٹی کی آنچل کمیٹی کی جانب سے ایک کھلی چٹھی بھی جولا پاسوان شاستری کو دی گئی ہے۔

• حیات دہلی

(صفحہ ۱۲ سے آگے)

احساس ہوتا ہے تو پتہ چلتا ہے کہ زندگی کا نقشہ، شہر کا نظام، رشتوں کی نوعیت سب کچھ بدل چکی ہے۔ ہم چاہیں بھی تو واقعات و اشخاص مقامات و تعلقات کو ان کی پچھلی ترتیب اور تناظر عطا نہیں کر سکتے — یہ کون سی قوت ہے، جو اس طرح آہستہ آہستہ ہماری زندگیوں کو بدلتی اور ہمارے ماحول کو نئی ترتیب دیتی رہتی ہے؟ اسی قوت کو ہم وقت کا نام دیتے ہیں — وقت ہماری زندگیوں کا صورت گر بھی ہے اور ہمارے وجود میں شامل بھی۔ انسان نے جب سے فکر کرنا سیکھا، وہ وقت کے مسئلے پر جو اس کی اپنی زندگی اور وجود کا مسئلہ ہے، غور کر رہا ہے۔ وقت پر فکر کرنے سے ہمیں وقت کا وہ شعور حاصل ہوا ہے، جو دوسرے جانداروں کو نصیب نہیں۔ اسی لئے وجودی مفکر ہائیڈیگر (HEIDEGGER) صرف انسانی وجود (DASEIN) کو تاریخی وجود مانتا ہے۔ اس کے نزدیک انسان کی ایک "تاریخ" ہے یعنی اس کا حال بھی ہے، ماضی بھی اور مستقبل بھی۔ بظاہر تو وہ تمام اشیاء و موجودات جو زمان و مکان کے حدود میں وجود رکھتی ہیں، ماضی بھی رکھتی ہیں اور مستقبل بھی — لیکن ان کا ماضی اور مستقبل ان کے شعور سے ماورا ہے، اس لئے غیر حقیقی ہے۔ انسان کو وقت کا شعور ہے، وہ اپنے ماضی سے واقفیت رکھتا ہے اس لئے اس کا ماضی اس کے وجود میں شامل ہے۔ انسان کا وجود امکانات سے لبریز ہے، وہ جو کچھ اس لمحہ "نہیں" ہے، اگلے لمحے ہو سکتا ہے نفی کا یہ اثبات اس کی آزادی بھی ہے اور اسے مستقبل سے جوڑتا بھی ہے۔ انسان کا مستقبل اس کے حال میں مخفی ہے، بالقوہ ہے جسے وہ اپنے ارادے سے آزادانہ "بالفعل" کی منزل تک لاتا ہے۔ دوسرے تمام موجودات اور ان پر محیط فطرت وقت کے شعور سے عاری ہے اور اس لئے نہ اس کا ماضی ہے، نہ مستقبل۔ کیونکہ ماضی اور مستقبل کا تعلق ان کے احساس، شعور اور تجربے سے ہے اسی لئے ہائیڈیگر انسانی وجود کو وجودیاتی (ONTOLOGICAL) مانتا ہے، دوسرے تمام موجودات محض (ONTIC) ہیں — وہ موجود ہیں مگر ان میں خود نہیں۔ ہائیڈیگر یہ بھی کہتا ہے کہ ماضی، حال اور مستقبل الگ الگ خانے نہیں کہ ایک کے بعد دوسرا سامنے آئے — یہ تینوں ایک ہی وجود حاضر میں شامل ہیں۔ اس لئے تینوں مل کر ایک وحدت ہیں — اسی وحدت کو ریاضیات، فلسفہ اور سائنس میں وقت کہا جاتا ہے۔

ہرقلیطس (HERACLITUS) نے کہا تھا کہ ایک ہی آدمی ایک ہی دریا کے پانی میں دوبار پاؤں نہیں رکھ سکتا — کیونکہ دوبارہ جب وہ پاؤں دھرے گا تو وہ پانی بہہ چکا ہوگا — اس طرح دریا وہی ہے، مگر بدل گیا — اسی بات کو ہم اپنے تجربے پر منطبق کریں تو معلوم ہوگا کہ وہ شہر، وہ لوگ، وہ مقامات، وہ تمام اشیاء جن سے ہم پہلے کبھی وابستہ تھے وقت کے بہتے ہوئے دریا میں آگے نکل گئے۔ ہم ان سے آج ملتے ہیں تو چاہے ان کی شکلیں وہی ہوں مگر وہ اب وہ نہیں رہے — بے جان اشیاء بھی امتداد وقت سے بدلتی ہیں، مگر ان کی تبدیلی کا احساس اور شعور مجھے یا آپ کو ہوتا ہے۔ یہ احساس و شعور محض ان اشیاء کی ظاہری تبدیلی پر مبنی نہیں، بلکہ ہمارے اپنے داخلی تجربات اور ہمارے اپنے ذہن و دل کی بدلتی ہوئی کیفیات کا نتیجہ ہے — مہاتما بدھ نے تو یہ کہہ کر روح یا نفس کے وجود سے ہی انکار کیا تھا کہ

"جسے ہم نفس کہتے ہیں وہ بدلتی ہوئی کیفیات ذہن کا تسلسل ہے اور کچھ نہیں —"

مگر اس انکار میں تسلسل کا اقرار ایک حقیقت کو ماننے پر مجبور کرتا ہے — وہ حقیقت، جو تسلسل یا تواتر سے عبارت ہے، وقت ہی ہے، گوتم نے کہا تھا:

"صرف واقعات اور احساسات کا دور تسلسل
قائم ہے اور رہے گا"

یعنی وقت ہی ناقابل انکار حقیقت اور قوت ہے — ایک حدیث قدسی ہے جو ہمیں سکھاتی ہے:

"زمانے کو برا نہ کہو، میں خود زمانہ ہوں"

کیا حقیقت جسے زمان یا وقت کہتے ہیں خدا ہے؟ مذہبی مفکرین اور صوفیا نے اس حقیقت کو اس طرح بھی دیکھا، محسوس کیا اور بیان کیا ہے۔ لیکن اس کی اور بھی تفسیریں، تشریحیں ہیں، فلسفیانہ، سائنسی، مذہبی — وقت سب سے بڑی حقیقت ہے، مگر گنجینۂ اسرار، لاینحل۔ ہم اپنے وجود میں اس کا اثر محسوس کرتے ہیں، اپنے افراد اس کی کارفرمائیاں دیکھتے ہیں اور کبھی اسے برا کہتے ہیں، کبھی حیرت کرتے ہیں، کوئی کہتا ہے وقت محض ایک تصور ہے، کوئی اسے اور اس کی کارفرمائی یعنی تقدیر کو التباس کہتا ہے۔ کوئی اسی کو حقیقت ابدی مانتا ہے۔ ان اختلافات کا سبب یہ ہے کہ مفکرین وقت کو انسانی وجود سے الگ کر کے دیکھتے اور سمجھتے رہے ہیں۔

(باقی آئندہ)

وحید اختر

میرا صفحہ

وقت کے کسی لمحے میں رک کر جب میں اپنے ماضی پر مڑ کر نظر ڈالتا ہوں تو کتنے ہی واقعات، مقامات، اشخاص اور واردات، یکے بعد دیگرے ماضی کے تاریک سمندر کی ایک موج پر ابھرتے، حافظے میں چمکتے اور پھر ڈوب جاتے ہیں — میں مرحوم ریاست حیدرآباد کے ایک شہر اورنگ آباد میں پیدا ہوا۔ اس شہر کی ایک تاریخ تھی جسے میں نے ہوش سنبھالنے کے بعد پڑھا اور جس کے آثار و باقیات کو اپنی آنکھوں سے دیکھا۔ اس شہر کا وجود اُن افراد سے عبارت تھا جو اس کی آبادی تھے، اور جنھیں میں بچپن سے دیکھتا رہا۔ ان افراد کے گھر تھے، روایات تھیں، عقیدے تھے، تیوہار تھے، رسمیں تھیں، محفلیں تھیں، انجمنیں تھیں، ادارے تھے، قدریں تھیں، زندگی اور موت کے اپنے تصورات تھے — ہوش سنبھالے کچھ عرصہ ہی گزرا تھا کہ وقت کی ایک چھوٹی سی موج اٹھی اور یہ پوری بساط الٹ گئی۔

چند برس بعد میں نے یہ شہر چھوڑ دیا اور دوسرے شہر کو اپنایا، حیدرآباد سابق ریاست کا پایۂ تخت اپنی مخصوص تہذیب کے لئے منفرد اور مشہور — ہر شہر اپنے ہر مکین کے لئے الگ وجود رکھتا ہے، میرا شہر حیدرآباد میرے لئے جو وجود رکھتا تھا وہ عبارت تھا طلبِ علم کی انتہائی لگن، جسم و جان کے رشتے کو برقرار رکھنے کی جدوجہد، ادب و شعر کے شوقِ فضول، چند شاعروں، ادبی انجمنوں، استادوں اور دوستوں سے، اور ان کے ایسے رشتوں سے جو میری زندگی کا جزو تھے — تعلیم کی تکمیل کے بعد یہ شہرِ نگاراں بھی چھوٹا — اور ایک نئے شہر علی گڑھ نے اپنی طرف بلایا۔ علی گڑھ کا نام مسلم یونی ورسٹی اور اس کی روایات کے باعث ہمیشہ سے میری ذہنی دنیا کے لئے مانوس تھا۔ میں جن ذہنی اور جذباتی کیفیات کے ساتھ اس شہر میں آیا تھا وہ گیارہ برس کی مدت میں بہت کچھ بدل گئیں — اور شاید میں خود بھی بہت کچھ بدل چکا ہوں۔ کسی نام سے تعلقِ خاطر اور اس کے حقیقی وجود سے زندگی کا رشتہ بہت ہی مختلف حقیقتیں ہیں۔

برسوں بعد کبھی اورنگ آباد جانا ہوتا ہے تو یہ شہر جو کبھی میرا اپنا تھا، جس کا ہر ذرہ میرا آشنا سا تھا، اب اجنبی لگتا ہے۔ لوگ بدل گئے، وہ محفلیں اور انجمنیں جہاں میں نے مذہب اور ادب، زندگی اور فن کی ابجد سیکھی تھی، اجڑ گئیں۔ وہ گھر جہاں میرا آنا جانا تھا برباد ہوگئے یا نئے مکینوں سے آباد ہوگئے۔ وہ محلے جن سے روز گزر ہوتا تھا اپنا نقشہ بدل کر نئے ہوگئے۔ جہاں ایک کالج تھا وہاں آٹھ دس کالج اور ایک یونی ورسٹی کھل گئی — شہر کی آبادی پہلے سے کئی گنا بڑھ گئی۔ مگر مجھے بچے کھچے چند دوستوں اور شناساؤں کی موجودگی کے باوجود یہاں اجنبیت اور تنہائی کا احساس ہوتا ہے — پچھلے چند برسوں میں اسی طرح حیدرآباد کا نقشہ بدلا، جامعہ عثمانیہ کی صورت بدلی — کہنے والے کہیں گے کہ جامعہ عثمانیہ کی عمارتیں وہی ہیں ان کی آن بان ویسی ہی ہے۔ وہی کیمپس ہے، وہی راہیں، وہی ہاسٹل، وہی پارک اور وہی ڈائننگ ہال اور ایک حد تک وہی انتظامات پھر اجنبیت کیوں؟ تبدیلی کا احساس کس لئے؟ یہی سوال میں اپنے آپ سے بھی کوئی دو برس قبل کر چکا ہوں —

ہے وہی شہر، وہی لوگ، وہی میں، وہی دل
بدلی بدلی سی نگاہوں کی فضا کیسی ہے!

— لیکن شاید اس سوال کا پہلا حصہ مغالطے پر مبنی ہے۔ وہی لوگ ہوں بھی تو کیا؟ کیا وہ لوگ پندرہ بیس برس میں اپنی اپنی زندگیوں کے دھارے میں پڑ کر بدلے نہیں؟ شہر وہی ہے تو کیا ہوا، وہ یادیں وہ وابستگیاں جن سے کوئی شہر ایک مخصوص معنی (میرے یا کسی اور کے لئے) رکھتا ہے، اپنی شکل بدل دیں تو پھر وہ شہر کہاں رہا جسے اپنا شہر کہا جا سکے میں بھی وہی نہیں رہا جو تھا، اور میرا دل بھی وہ نہیں رہا۔ زندگی کے تجربات نے مجھے بھی بدل ہی دیا ہوگا ورنہ تبدیلی کا یہ احساس کیوں ہوتا۔

آج اگر میں اپنے ماضی کے ان شہروں، واقعات، اشخاص اور ان جذبات و احساسات کو جو ان سے وابستہ تھے، حافظے کے پردے پر تازہ و روشن کر کے ترتیب بھی دے دوں تو ان میں زندگی کی وہ گرمی اور توانائی نہیں آسکتی جو انھیں 'حال' کے زندہ شہر بنا دے — مکان کے معنی ہمارے لئے اتنے زمان کے ساتھ بدل کیوں جاتے ہیں؟ کیا زمان اور مکان کا کوئی ایسا گہرا، پُراسرار رشتہ ہے جو مکانی یادوں کو محض زمانی فاصلے میں بدل سکے؟ وہ لوگ کیا ہوگئے، وہ محفلیں اپنی بساط الٹ کر کہاں چلی گئیں، وہ گلیاں، سڑکیں، مکانات، ہوٹل، ادارے اور ان کے کارکن کہاں گئے؟ — کچھ ہیں، کچھ ہمیشہ کے لئے نظروں سے اوجھل ہوگئے — کچھ مر گئے، بہت سے زندہ ہیں — مگر جو زندہ رہ کر بھی میری زندگی سے دور چلے گئے، میرے لئے اب ان کا وجود، وہ مجھے کتنے ہی عزیز کیوں نہ ہوں، بے معنی ہو چکا ہے — جو ہیں اور سامنے آتے رہتے ہیں، ان سے تعلقات کی نوعیتیں بدل گئیں تو وہ بھی وہ نہیں رہے جو تھے۔ یہ سب کچھ ہر شخص کی زندگی میں ہوتا ہے۔ یہ ساری تبدیلیاں خاموش، غیر محسوس طور پر آہستہ آہستہ ہوتی رہتی ہیں اور جب ہمیں ان کا

(باقی صفحہ ۱۱ پر ملاحظہ ہو)

مالک انجمن ترقی اردو ہند (علیگڑھ)، پرنٹر و پبلشر سید تفضل حسین ایم اے نے لیتھو کلر پرنٹرس علی گڑھ میں چھاپا اور دفتر مرکزی انجمن ترقی اردو ہند (علیگڑھ) سے شائع کیا